اگر تم غور کروگے تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ دنیا میں جس طرح حد سے زیادہ حسین آدمی کم ہوتے ہیں۔ اسی طرح حد سے زیادہ بدصورت بھی کم ہوتے ہیں۔ یہ جو ایک مشہور مثل عورتوں کی زبان زد ہے جو وہ عورتوں کے حسنِ ظاہری کی نسبت کہا کرتی ہیں "مثلاً فلاں لڑکی آدمی کا بچہ ہے" یعنی نہ غیر معمولی حیثیت سے حسین ہے نہ بدصورت۔ ذہن اور مادّہ کی معاونت کا مسئلہ بالکل منقح ہو چکا ہے۔ شاید علمِ نفس کے پڑھنے کے بعد تم کو اس مسئلہ میں کوئی شک نہ رہا ہوگا۔ تو اسی کلیہ کو تم ذہنیات میں بھی منطبق کر سکتے ہو۔

حاصل کلام کا یہ ہے کہ جس طرح وہ لوگ کمیاب ہیں جو حد سے زیادہ عقیل ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی شاذ و نادر ہیں جو حد سے زیادہ بیوقوف ہوں۔ اِیڈیٹ کے دماغ کی بناوٹ ہی سے اس کا ایڈیٹ ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس سے چند اور قضایا کو واسطہ گردان کر یہ امر بخوبی ثابت ہو سکتا ہے کہ فطرت نے ہر اوسط درجے کے انسان کو اوسط درجے کی قابلیتیں عطا کی ہیں۔ مثلاً لوگ کہتے ہیں کہ موزوں طبعی خداداد ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس خداداد قابلیت میں کل انسان شریک ہیں۔ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ۔ اس کے امکان سے مجھے انکار نہیں کہ ایک بہت ہی قلیل تعداد از روئے خلقت غیر موزوں طبع ہو۔

یقین ہے کہ تم میری تقریر کا منشاء سمجھ گئے ہوگے۔ یہ مسئلہ بہت اہم اور قابلِ غور ہے۔ اس لیے میں اس پر زیادہ تر توجہ چاہتا ہوں، اور یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ اس مسئلہ کو میں کیوں اہم کہتا ہوں۔

اس مسئلہ میں بہت بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ نہ صرف عوام بلکہ خواص میں بھی عام خیال یہ ہے کہ عدم قابلیت کی طرف تعداد زیادہ ہے اور وجود قابلیت کی طرف کم۔ مگر استدلال سے اس کے برعکس ثابت ہوتا ہے۔ وجود قابلیت کی طرف شمار بہت زیادہ ہے۔ بہ نسبت عدم قابلیت کے۔

عجب تر یہ ہے کہ جزئی مثال یہ ہے کہ میرے نزدیک تقریباً تمام انسان موزوں طبع ہیں اور بہت ہی کم غیر موزوں طبع۔ اور خلق الٰہی سے یہ امر مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عنایت خاص ہو عام نہ ہو۔

عجب تر یہ ہے کہ نہ صرف افراد انسان کو بلکہ خاص مقامات کو بھی اکثر لوگ ایک خاص صفت کے ساتھ مخصوص کر دیتے ہیں۔ مثلاً اس قسم کے جملے تم نے اکثر سنے۔ فلاں مقام کے لوگ قدرتی موزوں طبع ہیں۔ فلاں خطہ مردم خیز ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس امر کے اصلی سبب پر جب تم غور کروگے تو اس کو میری رائے کے موید پاؤ گے۔

مثلاً کہا جاتا ہے کہ لکھنؤ کے رہنے والے موزوں طبع ہوتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ صرف مسلمان یا ہندو۔ یا ہندو مسلمانوں میں سے صرف اعلیٰ طبقہ کے لوگ یا ادنیٰ کے بھی اور پھر یہ پوچھنا ہے کہ مضافات لکھنؤ میں جو دیہات ہیں وہاں کے لوگ بھی یا صرف حدود میونسپلٹی کے اندر جو لوگ رہتے ہیں، تفصیلاتِ مذکورہ پر نظر کرنے سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اصلی سبب سوسائٹی ہے نہ طبیعت۔ لکھنؤ کی سوسائٹی میں اس قابلیت کو ظاہر کرنے کے اسباب پیدا ہو گئے۔ اس لیے وہاں ہزارہا موزوں طبع نکل آئے۔ جس جگہ اس قسم کے اسباب فراہم ہو جائیں گے۔ وہاں ہزاروں موزوں طبع

نکل آئیں گے۔

جن لوگوں نے صرف منطق قیاسی پڑھی ہے وہ اس استدلال کو شاید اقناعی کہیں۔ لیکن تم ماشاء اللہ منطق استقرائی کے درس میں شریک ہو چکے ہو اور علوم تجربی کے پڑھنے سے تم کو موادِ استدلال کے فراہم کرنے اور تربیت دینے کا سلیقہ حاصل ہو گیا ہے۔ لہٰذا تمہارے لیے یہ استدلال قطعی ہے۔ اب اس مسئلہ کی اہمیت کا باعث سنو۔

اکثر ہونہار طالب علم اس غلط فہمی میں پڑ کر اکتساب اور تکمیل سے باز رہتے ہیں۔ یہ قاعدہ ہے کہ ہر علم و فن کی ابتدائی تحصیل میں اکثر دقتیں واقع ہوا کرتی ہیں۔ اس کا سبب نقص طریقۂ تعلیم ہے۔ اس لیے اکثر تعلیم بسائط اور مفردات سے شروع ہوتی ہے اور تم کو کیمسٹری کے پڑھنے سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ بسائط بعد تحریر اور تحلیل کے حاصل ہوتے ہیں۔ چاہیے تھا کہ تعلیم میں تحریر اور تحلیل کے عمل سے ابتداء کرتے تو کوئی مشکل نہ پڑتی۔ ابتداء کی گئی ہے بسائط سے اور ان سے ترکیب دے کر مرکبات پیدا کیے جاتے ہیں۔ بسائط کی اجنبیت اوپر کے بیان سے واضح ہے۔ ان کے افہام و تفہیم میں دقت کا واقع ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مجھے یہ مشکل تمہارے چھوٹے بھائی صادق کو جیومطریہ پڑھانے سے معلوم ہوئی۔ نقطہ، خط، سطح، جسم کے حدود ایک ہفتہ تک سمجھایا کیا، مگر اس کی سمجھ میں نہ آئے۔ آخر میں نے طریقۂ تعلیم کو بدل کر جسم طبعی سے ابتداء کی۔ فوراً سمجھ گیا اور بہت ہی کم مدت میں اشکال ہندسہ سمجھنے لگا۔

اس قسم کی دقتوں کے واقع ہونے سے اکثر طلباء بے دل ہو کر یہ سمجھ لیا کرتے ہیں اور عام خیال اسی خیال کو پختہ کر دیتا ہے کہ مجھ میں اس کے سمجھنے کی خدا داد قابلیت نہیں۔ کوشش بے سود ہے۔ یہ مشکلیں میرے لیے سلف اسٹڈی

کی برکتوں نے حل کردیں۔ اب مشکل سے مشکل مسائل کو میں آسان سمجھنے لگا ہوں۔
یہ خط بہت طولانی ہوگیا اور ایک مزے کی بات لکھنا ابھی باقی ہے۔ وہ یہ کہ میرے دوست اور تمہارے بزرگ مرزا رسوا صاحب نے میری سوانح عمری لکھ کر تمام کرلی۔ اب ان کا خیال ہے کہ اس کے ساتھ ہی میرے خطوط جو تمہارے نام اور دوستوں کو وقتاً فوقتاً لکھے گئے ہیں جمع کیے جائیں۔ لہٰذا بعد ملاحظہ خط ہذا کے جس قدر خط تمہارے پاس پڑے پڑائے ہوں، بھیج دو اور یہ خط بھی واپس کردینا تاکہ سوانح عمری کے ساتھ شائع کردیا جائے۔
مرزا رسوا کے طرزِ تحریر سے تم واقف ہو۔ انھوں نے میری زندگی کے عام واقعات کو جو ہر شخص پر حسب اقتضائے وقت اور ضروریات کے واقع ہوا کرتے ہیں، ایک ناول بنا دیا ہے۔ مگر اتنی عنایت کی ہے کہ اشعار نہیں ٹھونسے جس کا میں ممنون ہوں۔ والدعا

راقم۔ عابد

مرزا صاحب۔ السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ ایک امر دینی نے مجھ کو اس خط کے لکھنے پر مجبور کیا۔ وہ یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ مفلسی کو گناہ سمجھتے ہیں۔ حیف کی بات ہے کہ انسان تقدیر سے مفلس ہو جائے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے۔ مگر ہاں سچ ہے آپ تقدیر کے قایل نہ ہوں گے کیونکہ نیچریوں کا مسلک یہی ہے تقصیر معاف ہو۔ ایک زمانے میں آپ خود نادار تھے۔ بلدیو مستری کے لڑکے کے پڑھانے پر نوکری کرنے کا زمانہ شاید اس جاہ و ثروت کے عہد میں آپ بھول گئے۔ جناب ہر حالت میں خدا سے ڈرنا بہت ضروری امر ہے۔ تعیشِ چند روزہ میں پڑ کر خدا کو بھول جانا کفرانِ نعمت کہلاتا ہے اور اس شخص کو

جو کفرانِ نعمت کرے کافر کہتے ہیں۔ آپ انگریزی سرکار سے توسّل رکھتے ہیں۔ اس لیے میں آپ سے ڈرتا ہوں۔ فلہٰذا میں نے اپنا نام خط میں نہیں لکھا۔ ابتدائی زمانے میں آپ کے عقائد بہت درست تھے اور آپ روزہ و نماز کے پابند تھے اب سنا گیا ہے کہ آپ بالکل نیچری ہو گئے اور روزہ و نماز سب کو آپ نے سلام کیا۔ ایک اور امر سُن کے مجھے سخت افسوس ہوا۔ وہ یہ کہ آپ فقرا و مساکین کی اعانت کو بُرا سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ فقرا کو پیسہ یا چٹکی آٹا دینا آپ کے نزدیک گناہِ عظیم ہے اور جو لوگ مسجد بنانے یا حج بیت اللہ یا زیارت کے نام سے کچھ مانگنے آتے ہیں۔ اُن پر آپ دروازہ سخاوت کا بند کر دیتے ہیں اور کفر اور بے دینی کے کاموں میں آپ نے ہزار ہا روپیہ بطور چندے کے دیا۔ چنانچہ ایک نیچری کو آپ نے ولایت کے سفر کے لیے پانچ سو روپیہ بطور توشے کے دیے جو کتابیں کفر و ضلالت کی آپ لکھ رہے ہیں ان کے چھاپنے اور شائع کرنے میں ہزاروں روپے کے صَرف کا بار اپنے ذمّے لے لیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ قارون پر ایک زکوٰۃ کے نہ دینے سے کیا عذاب نازل ہوا کہ وہ زمین میں دھنس گیا اور تا قیامِ قیامت دھنستا چلا جائے گا اور یہ خزانہ اُس کے سر پر بار ہے۔

جز ایں نیست کہ دولت کی زیادتی سے آپ میں غرور سما گیا۔ غرور کی برائیاں من جمیع الوجوہ ثابت ہیں۔ کیا آپ کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر یاد نہیں رہا ؎

تکبّر عزازیل را خوار کرد　　بزندانِ لعنت گرفتار کرد

الرّاقم عبداللہ

مرزا عابد حسین نے اس گمنام خط کا جواب جو مع اس خط کے اخبار میں چھپوا دیا تھا۔ جواب کی نقل یہ ہے :-

جناب عبداللہ صاحب کا خط میں نے پڑھا۔ ان کی حمیّتِ دینی سے میرا دل بہت خوش ہوتا اگر وہ خلوص کے ساتھ ہوتی اور جو کلماتِ غیظ و غضب ان کے قلم سے میری شان میں نکلے اس کو میں مقتضائے جوشِ دینی سمجھتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ قبل اس کے کہ اُن الزامات کا جواب دوں جو کاتب نے میری نسبت عائد کیے ہیں، میں اُسے ایک نیک نصیحت کرتا ہوں۔ جس پر مجھے امید ہے کہ وہ آئندہ ضرور عمل کرے گا۔ بندۂ خدا کے نام سے خطوط لکھنا خصوصاً اس حالت میں جب کہ عبارت خط کی متضمّن ہو کسی جرم قانونی پر ایک امرِ خطرناک ہے۔ کیوں کہ خفیہ پولیس کو جو تنخواہ سرکار سے ملتی ہے وہ فضول نہیں ہوتی۔ اگرچہ میں نے خفیہ پولیس سے اعانت نہیں لی۔ لیکن کاتب کو ماخوذ کر کے سزا دلا سکتا ہوں۔ کاتب کو اس امر کے یقین دلانے کے لیے کہ میں اپنے اس دعوے میں صادق ہوں اس کو ایسا پتہ بتا دیتا ہوں جس سے وہ سمجھ جائے گا کہ میں اس کو خوب جانتا ہوں۔ حسین آباد۔ مشک گنج۔ فیض آباد۔ میں اس کو جانتا ہوں یا نہیں۔ اب رہا یہ امر کہ وہ مجرم ہے یا نہیں۔ اس پر اس کا گنہگار دل خود شہادت دے گا۔ لیکن بفحوائے انّما ینتقم الضّعیف۔ اس سے انتقام لینا کسرِ شان سمجھتا ہوں۔

اس کی بے تہذیبی پر مجھے افسوس ہوا اور اس کی وجہ وہی مفلسی ہے جس کو میں گناہ سمجھتا ہوں۔ اب الزامات کا جواب دیتا ہوں۔

میں مفلسی کو گناہ نہیں کہتا۔ مگر خود اختیاری مفلسی کو گناہ سمجھتا ہوں۔ خود اختیاری مفلسی کا سبب اسراف ہے اور اسی لفظ کے مفہوم کو

وسعت دینے سے اور اسباب مل جاتے ہیں جن کے جدا جدا نام ہیں۔ مثلاً دوسرے لفظوں میں اس اسراف کو ہم خرچ کی زیادتی اور دخل کی کمی بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کے اسباب کاہلی اور تن آسانی ہیں۔ العاقل تکفیہ الاشارہ۔

عقائد کے باب میں اس کو کچھ لکھنا میں فرض نہیں سمجھتا۔ اقرار شہادتین کے بعد کسی کو یہ حق نہیں حاصل ہو سکتا کہ شخص مقر کے اسلام سے انکار کرے اور جو اس پر بھی منکر ہو اس منکر پر کسی امر کے ثبوت کے لیے معجزہ بھی کافی نہیں ہے۔ بحمداللہ کہ میرے اوضاع و اخلاق نے مجھ کو ثقات کی نظروں میں وہ عزت دے رکھی ہے جسے کسی شخص منکر کا جھوٹی قسم کھانا بھی مشکوک نہیں کر سکتا۔

بے شک میں نے ایک متکلم، فقیہہ، ثقہ، نوجوان فاضل کو جس نے انگریزی اور فرنچ اس غرض سے حاصل کی تھی کہ مغربی ملکوں میں جا کر اسلامی اور ایمانی وعظ کہوں اور وہاں کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دوں یا کم از کم ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور اہلِ اسلام کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کروں، بطور ہدیہ متحقر پانچ سو روپیہ اپنا مذہبی فرض سمجھ کر نذر کیے تھے۔ ایسے شخص کو جس نے اپنی تمام امیدوں کو خاک میں ملا کر تمام زندگی کارِ خیر کے لیے وقف کر دی۔ کاتب نیچری اور بد مذہب کہتا ہے اور جو کتابیں میں لکھ کر شائع کرتا ہوں۔ حاشا کہ ان میں کفر و ضلالت ہو بلکہ وہ مغربی علوم کی کتابیں جن کی اس وقت نہایت ضرورت ہے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں بندگانِ خدا کی بھلائی اس میں متصور ہے۔ قوم اور ملک کی مفلسی اس کے عدم علم پر منحصر ہے۔ میں خدا کا شکر کرتا

ہوں کہ مجھے خدا نے اس کے ترجمہ کرنے اور شائع کرنے کی توفیق مرحمت کی۔ مسجد بنوانے یا حج و زیارت کے نام سے بھیک مانگنے والوں کو میں اچھی طرح پہچان لیتا ہوں اور علیٰ ہذا القیاس ان لوگوں کو بھی جو ملک میں تعصب پھیلانے یا صرف اپنا شکم پُر کرنے کے لیے لوگوں کو فریب دیکر چندے جمع کیا کرتے ہیں۔

بلدیو کے لڑکے کو پڑھانے کا طعن کاتب کی سخافتِ عقل پر دلیل ہے۔ کسی قسم کی نوکری اور مزدوری عیب نہیں۔ بعض علمائے ملت نے جنگلوں سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں فروخت کرنے کو حقیر نہ سمجھا۔ خود باب مدینۃ العلم حضرت علی مرتضیٰ یہودیوں کے کھیتوں میں پانی دینے کو ذلیل نہ تصور فرماتے تھے۔ افسوس کاتب پیشوایانِ دین کے اخلاق اور اقوال سے بالکل چشم پوشی کرتا ہے۔

میں فخر کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں مادھو (پسر بلدیو) کے پڑھانے پر پانچ روپیہ کا نوکر تھا۔ اور میں نے ہلاس لُہار سے لہاری کا کام سیکھا اور ان کاموں سے برسوں اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ملکتاج مہیا کیا۔ مگر کبھی میں نے اپنے کارِ منصبی کے کرنے میں سُستی اور کاہلی نہیں کی۔ مادھو نے میری تعلیم سے بہت فائدہ اٹھایا۔ وہ اس وقت اعلیٰ درجہ کا میکانک ہے اور اس کو ریلوے میں پانچ سو روپیہ ماہوار کی نوکری ملتی تھی مگر اس نے نہ کی۔ میرے کارخانۂ حدّادی میں جس کو میں نے صرف کلوں کے نمونے بنا کر ملک میں شائع کرنے کے لیے قائم کیا ہے۔ خوشی سے مہتمم ہے اور اس کارِ خیر میں میرا شریک ہے۔ میں اسے مثل اپنے فرزند کے سمجھتا ہوں۔ اور وہ مجھ کو اسی طرح اپنا بزرگ

اور مربی خیال کرتا ہے۔ مجھے فخر ہے کہ خدا کے فضل سے میری تعلیم بے کار نہیں ہوئی۔

الراقم
عابد لہسار

غریب پرور سلامت

حقیر عرض می رساند

فدوی قوم شریف سے ہے۔ فدوی کے والد سرکار انگریزی میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور فدوی کے نانا عہدِ شاہی میں رسالہ دار تھے اور فدوی کی نانی نواب ثروت محل کی منہ بولی بہن تھیں مگر بالفعل بہ سبب گردشِ فلک کج رفتار کے نان شبینہ کو محتاج ہے۔ آپ کی دریا دلی اور سخاوت کا شہرہ دور سے سن کے آیا ہے۔ امید ہے کہ ایک لقمہ نان کو بھیج کر تا عمر دعائے دولت میں مصروف رہے۔ ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

الٰہی آفتابِ دولتِ اقبال تا ابدالآباد تاباں و درخشاں باد

عرضی

فدوی
سرفراز حسین بقلم خود

عبارتِ ظہری عرضی ہٰذا

جلیل الشان رفیع المکان مرزا عابد حسین صاحب دام اقبالکم!
بعد اہدائے ہدیۂ سلام کہ بہترین تحفۂ اسلام است و استخبار مزاج وہاج ریاست اسراج باعثِ تحریر ہذا یہ ہے کہ جناب میر سرفراز حسین صاحب کی شرافت خاندانی و نیز لیاقت ذاتی سے کماحقہٗ واقف ہوں۔ اگر آنجناب کی مساعیٔ جمیلہ سے کوئی عہدہ معقول ان کو سرکار انگریزی میں مل جائیگا تو یہ مخلص قدیم نہایت ہی ممنون ہوگا۔

الداعی الی الخیر۔ ابوالخیر۔ ابوالخیرات
سید مکمل الدین الملقب بہ تکملۃ العلماء

جناب مولانا صاحب۔ تسلیم!
افسوس ہے کہ سرکار انگریزی سے کوئی مدِ خیرات میرے حوالے نہیں ہے اور اگر ہوتی بھی تو اس میں سے میں سائل کو ایک حبہ نہ دیتا۔ اس لیے کہ ایسا شخص جو محنت کرنے کی قوت رکھتا ہو اور شرافتِ خاندانی جتا کر بھیک مانگے اس کی اعانت کرنا قوم کو بھک منگا بنانا ہے۔ سائل شاید کچھ خواندہ ہے۔ اگر وہ محنت کرنے پر آمادہ ہو جائے تو میں اس کو دس مزدوروں کی جماعت واری پانچ آنہ روزانہ دے سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔ معاف فرمائیے۔ سائل نے اپنی عرضی میں کلمات گستاخی میری نسبت میں لکھے ہیں۔ مثلاً شاہاں چہ عجب الخ اس کو

میں اس کی کم علمی پر محمول کرتا ہوں مگر حیران ہوں کہ جناب کے مبالغاتِ صریح اور مکابراتِ بیّن کو کس حد میں شمار کروں۔

خادم العلماء
عابد

عالی جناب معلّی الالقاب قدر دانِ ہر علم و ہنر فیض گستر مرزا عابد حسین صاحب دام الطافہٗ۔ بعد تسلیم بصد تکریم معروض آنکہ مدّت مدید و عرصۂ بعید منقضی ہوا کہ آپ کی خیر و عافیت سے اس مخلص قدیم کو اطلاع نہیں ہوئی۔ واقعی آپ اپنے دوستانِ قدیم کو بالکل ہی بھول گئے ؎

تم ہمیں بھول گئے ہو صاحب
ہم تمہیں یاد کیا کرتے ہیں

مدّت ہوئی کہ ایک پرچۂ قرطاس سے یاد شاد نہ فرمایا۔ دریں دلا بُلبلِ بوستانِ فصاحت و قمریٔ سروستانِ بلاغت سعدیٔ دوران و خاقانیٔ آوان نواب احمد حسین خاں سلمہٗ المتخلص بہ ساحر نے ایک قصیدۂ بہاریہ ذو مطلعین آپ کی مدح میں تحریر کیا ہے۔ اگرچہ آپ کے فضائل و مناقب اور مناصب و مراتب بیرون از دائرۂ نظم و بیان ہیں۔ مگر جو امور عیاں ہیں ان میں سے بعض کے ذکر پر بمصداق لا یدرک کلّہٗ جو کچھ کہا ہے، خوب کہا ہے۔ امید قوی ہے کہ آپ اس شاعر نوخیز۔ نازک خیال (جو کہ ابھی سے جودت اور ذکاوت اس کی شہرۂ شعرائے ماضی کو شرمائے دیتی ہے۔) کی محنت کی داد اور لیاقت کا صلہ دیں گے۔ اگرچہ ابتدائے عمر میں آپ کو اس فن شریف یعنی شاعری کی طرف چنداں توجہ نہ تھی

مگر اب میں نے سنا ہے کہ آپ نے ہر علم و فن میں مہارتِ تام استعداد مالا کلام حاصل کی ہے۔ پس علمِ شعر میں بھی علیٰ ہذا۔ لہٰذا آپ اس قصیدہ سے بہت خوش ہوں گے۔ یہ واضح رائے عالی ہو کہ تشبیب اس قصیدہ کی بالکل حسب محاورۂ حال نچرل مذاق کی ہے اور مذاق نیچری آپ کو بالطبع بلکہ بالفطرت پسند ہے۔ یوں تو قصیدہ از سر تا پا مرصع ہے خصوصاً باغ کا سین بہت ہی عمدہ کھنچ گیا ہے۔ گویا پورا فوٹو ہے۔ گھوڑے کی تعریف میں بھی ایک شعر قیامت کا کہا ہے۔ (افسوس ہے کہ اس قصیدہ غرا کی پوری نقل ہم کو دستیاب نہ ہوئی ورنہ ضرور ہی شائع کرتے۔)

جواب

میر صاحب۔ دوستوں کو بھول جانا ایک خُلق مذموم ہے۔ میں اپنے دوستوں کو اگر وہ فی الواقع میرے دوست ہوں۔ بحمداللہ کبھی نہیں بھولتا۔ اپنے شاگرد کی مدح سرائی میں جس قدر شعری مبالغوں کو آپ نے دخل دیا ہے اُس کی داد میں اس حالت میں دے سکتا تھا کہ میں بھی مثل آپ کے شاعر ہوتا۔ اور اس سے زیادہ آپ کے شاگرد رشید کے قصیدہ کی قدر شناسی سے محروم ہوں۔ والحمدللہ علیٰ ذالک۔

آپ کو خود یاد ہوگا کہ اوائل عمر میں آپ کو شعر گوئی پر ملامت کیا کرتا تھا۔ میرا خیال اب تک وہی ہے۔ مجھ کو ہر ایسے کام سے جس میں کوئی دینی و دُنیوی منفعت نہ ہو، نفرت کلی ہے اور ایسے فنِ رذیل سے جس میں کوئی معزت ہو خصوصاً خلقی معزت، بدرجۂ اولیٰ نفرت ہونا

چاہیے۔ اگر آپ کو کچھ بھی اگلے دوستوں کا خیال ہے تو صرف اتنی فکر اس مقدمے کے سمجھنے کے لیے کافی ہے جتنی ایک مصرعہ لگانے کے لیے کرنا پڑتی ہے یا اس سے بھی کم کہ میری مدح میں قصیدہ کہنے سے زیادہ کوئی امر لغو و فضول دنیا میں ہو سکتا ہے۔

میرے آپ کے مزاح نہ بچپن میں ہوتی تھی اور نہ اب میں اس کو جائز رکھتا ہوں۔ آپ نے اپنے رقعہ میں مجھ کو کھلم کھلا نیچری بنایا ہے اور نیچری بھی مناسب طبع اور فطرت کے ساتھ۔ اے سبحان اللہ! اور کیا کہوں۔ میں نے آپ کی خاطر سے قصیدہ کی تشبیب اس نظر سے دیکھی کہ وہ باغ کا فوٹو ہے۔ مگر آپ یقین ہی کیجیے کہ اس میں ایک برگ خزانی کا بھی فوٹو نہیں ہے۔ گھوڑے کی تعریف میں جس شعر کی آپ نے بہت تعریف کی ہے وہ سرعتِ رفتار کے باب میں اس سے زیادہ مبالغہ میں (کہ شاعر نہیں ہوں) کر سکتا ہوں۔ مردِ خدا اس جھوٹ کے طومار سے کیا حاصل۔ سرعتِ خیال کہاں گھوڑے کی چال کی یہ بھی کیسی مہمل بات ہے۔ اگر میرا گھوڑا پانچ میل بائیسکل کے ساتھ دوڑ سکے اور میں دوڑا سکوں تو ولایت کی کسی نمایش سے اقل درجے کے انعام اور تمغہ حاصل کرنے کے لایق ہو جاؤں۔ آپ نے تمام عمر شاعری کی ہے اور میں نے بالقصد ایک مصرعہ کبھی موزوں نہیں کیا۔ لیکن برا نہ مانیے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک آپ شاعری کے مفہوم سے بھی واقف نہیں۔ علمِ جمال جو فنِ شعر کا ماخذ اور اصل اصول ہے۔ اس کا نام بھی آپ نے نہ سنا ہوگا۔ خیر آپ کی عمر کا بہت بڑا اور قیمتی حصہ تو اس لغویات میں صرف ہو چکا۔ اب بھی توبہ کیجیے اور چند روزہ حیات کو کسی ایسے کام میں صرف کیجیے جس سے خدا کی خدائی کا یا کچھ

آپ ہی کا بھلا ہو۔ اور اگر بقولے 'خوئے بد در طبیعتے کہ نشست' آپ اس سے باز نہیں رہ سکتے تو اپنے ساتھ ہونہار تجربہ کار لڑکوں کو تو نہ تباہ کیجیے۔ حضرت آپ کا پندرہ روپیہ وثیقہ تھا۔ اس سے نبھ گئی۔ یہ بیچارے اگر اس شغل بے کاری میں پڑے تو مارے فاقوں کے مر جائیں گے۔

اور ہاں خوب یاد آیا۔ تم ہمیں بھول گئے۔ الخ یہ شعر آپ ایسے سن رسیدہ کی طرف سے مجھ بڈھے کی شان میں کس قدر موزوں ہے۔ معاف فرمائیے اور آیندہ ایسے خطوط سے کبھی مجھ کو یاد شاد نہ فرمایا کیجیے۔

آپ کا قدیم ملامت گر
عابد

ولایت سے ایک دوست کا خط

جناب مرزا صاحب تسلیم! میں حسب الارشاد آپ کے پیرس کے اس کتب خانہ میں جس کا پتہ آپ نے تحریر کیا ہے خود گیا اور حکیم عمر خیام کا البرہ دیکھا۔ واقعی جس مسئلے کے باب میں گفتگو تھی وہ قدیم مسلمانوں کو معلوم تھا۔ آپ کا خیال بالکل دُرست ہے۔ مجھے پیرس میں بہت ہی کم ٹھہرنا تھا۔ اس لیے اس کتاب کی نقل حاصل کرنے کی کوشش نہ کر سکا اور میرے خیال میں شاید ممکن بھی نہ ہو۔ برٹش میوزیم سے شاید ہر کتاب

کی نقل مل سکتی ہے مگر بہ صرفِ کثیر۔ آج کل میرے ذمے بہت کام ہے۔ اس لیے تفصیلی خط نہ لکھ سکا۔ معاف فرمائیے۔ آیندہ تعطیل میں آپ کی فرمایشات کی تعمیل کرنے کی کوشش کروں گا۔

آپ کا خادم
عبدالحسنین

جناب من۔ آپ بیرسٹری کی دُھن میں ہیں۔ معلوم ہو گیا کہ آپ سے میرا کام نہ ہوگا۔ آپ کی "شاید" اور "کوشش" نے مجھے بالکل مایوس کر دیا۔ وہ الفاظ جو افادہ معنی شک اور شرط کا کرتے ہیں۔ ان سے میری تسلی نہ ہوگی۔

پیرس آپ گئے اور لائبریری بھی پہنچے۔ اس کے لیے آپ کو وقت مل گیا۔ جس کا میں ممنون ہوا۔ لیکن اگر کیوریٹر سے اتنا اور پوچھ لیتے کہ نقل مل سکتی ہے اور اگر مل سکتی ہے تو کس طرح؟ تو کچھ بہت زیادہ وقت صرف نہ ہو جاتا۔ فرنچ بھی آپ کافی طور سے جانتے ہیں۔ لہٰذا اجنبیتِ زبان کا بھی عذر نہیں چل سکتا۔ یہ کہیے کہ یاد نہیں رہا اور یاد کیوں نہ رہا؟ اس کا سبب مجھ سے پوچھیے۔ آپ کو تحقیقِ علوم کا ذاتی شوق نہیں ہے۔ معاف کیجیے۔ میں قدرتی صاف گو ہوں۔ لہٰذا بے تمیز واقع ہوں۔

برٹش میوزیم آپ ایک نہ ایک دن جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس دن پارک جانا ملتوی کیجیے۔ میں یقیناً عرض کرتا ہوں کہ آپ کی صحت کو ایک دن پارک نہ جانے سے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ تفصیلی خط لکھیے۔ دو جملے لکھیے۔ مگر مطلب کے۔ زیادہ شوق۔

آپ کا دوست عابد

شیخ صاحب تسلیم! آپ مجھ کو بر سبیلِ شکایت لکھتے ہیں کہ تیرے ضلع میں جو مذہبی مناظرہ ہوا تو اس میں کیوں نہ گیا؟ کیا یہ ضرور ہے کہ جس قسم کی طبیعت آپ کی ہو ویسی بعینہٖ میری بھی طبیعت ہو۔ میں نے کسی مناظرہ کا یہ نتیجہ نہیں سنا کہ کسی نے ایسی محفلوں کے ذریعہ سے کوئی فیض حاصل کیا ہو۔ نہ کوئی سُنّی شیعہ ہوا۔ نہ کوئی شیعہ سنی۔ نہ کوئی عیسائی مسلمان ہوا۔ نہ بالعکس۔ ہاں ضد اور تعصب کسی قدر ضرور بڑھ جاتا ہے۔ اور ان قوتوں کے بڑھانے کی مجھ کو ضرورت نہیں معلوم ہوتی بلکہ حتی الامکان میں اس کے خلاف کوشش کرتا ہوں اور خدا سے دعا ہے کہ مسلمانوں کی ضد اور تعصب کے مادّے میں کمی واقع ہو۔ علمائے ملّت نے کافی سرمایۂ تحقیق کا مہیّا کر دیا ہے۔ خصوصًا اہلِ اسلام نے تو اس باب میں بہت کچھ سعی کی ہے۔ یہ سرمایۂ تحقیق ایک عمر کے مطالعہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ تُو تُو مَیں مَیں سے کیا فائدہ۔ پہلے کچھ فکرِ معاش کیجیے اور جب یہ حاصل ہو جائے تو خلق اللہ کی بھلائی کی کچھ کوشش یا کم از کم اپنی بھلائی کی سعی فرمائیے۔
والسلام۔

آپ کا نیاز مند
عابدؔ

جناب! آپ مجھ سے پردۂ نسواں کے باب میں رائے طلب فرماتے ہیں۔ حضرت اس بحث وسیع کی عمومی حیثیت سے قطع نظر کر کے میں ایک

بات اس ملک کے باب میں عرض کیے دیتا ہوں جہاں کا میں بھی رہنے والا ہوں اور آپ بھی۔ یعنی یہ کہ ہندوستان جنت نشان۔ عورتوں کا پردہ تو ایک طرف۔ میری رائے تو یہ ہے کہ اگر اخلاق کی درستی منظور ہے تو مرد بھی پردے میں بیٹھیں۔ شہروں کی گلیوں میں جو فحش گالیوں کی بوچھار ہر چہار طرف سے رہتی ہے۔ خدا نہ سنوائے۔ آزادیٔ خیال کے ساتھ بے غیرتی مشروط نہیں ہے۔ پہلے اپنے ملک کے اخلاق کو اس درجہ پر لائیے کہ لوگ عفت کے مفہوم کی قدر کریں اور سلف رسپکٹ کا خیال پیدا ہو۔ پھر عورتوں کے پردے کے باب میں کلام کیجیے گا۔ انگریزوں کی مثال نہ لائیے۔ وہ صاحبِ حکومت ہیں۔ سب ان کا رعب مانتے ہیں۔ ان کی نسواں جب بازار میں بغیر نقاب کے نکلتی ہیں تو کوئی مزاحم نہیں ہوتا۔ ہماری عورتیں اگر بہ طریقۂ عرب اور فارس نقاب پوش بھی نکلیں تو قیامت ہو جائے۔ مجھے شہر کے گلی کوچوں میں خدا سے ڈرنے والے کہیں نظر نہیں آتے۔

مرزا رسوا صاحب کی رائے اس بارے میں نہایت ہی لطیف اور معقول ہے۔ وہ پردۂ نسواں کے مخالف ہیں مگر ان کا خیال ہے کہ اس باب میں کوئی امر اس سے زیادہ مؤثر نہیں ہے۔ بلکہ جو صاحب پردہ کے مخالف ہیں ان کو لازم ہے کہ وہ عورت کو بے پردگی کی اجازت دیں تاکہ اور لوگوں کے لیے ایک مثال ہو جائے۔ رفتہ رفتہ یہی طریقہ لوگ اختیار کریں اور جب تک کوئی صاحب خود لیڈر نہ بنیں گے۔ یہ رسم قبیح دور نہ ہوگی۔ والسلام۔

خادم الاحباب

عابد

ابا جان! بعد آداب و تسلیمات کے عرض پرداز ہوں۔ میرے ساتھ کے پڑھنے والے طالب علم اکثر آپ کے افادات سے مستفید ہونے کا شوق رکھتے ہیں۔ ان مراسلات میں اکثر کوئی امر پرائیویٹ نہیں ہوتا۔ اس لیے مجھے اس میں کوئی باک نہیں ہوتا کہ اور لوگ اسے سنیں یا پڑھیں۔ یہ مراسلہ جس کا جواب میں لکھ رہا ہوں۔ میرے ایک دوست مولوی صلاح الدین بی۔ اے۔ نے مجھ سے لے کے پڑھا۔ ان کا خیال ہے کہ شاید آپ جینیس کے قائل نہیں۔ اگرچہ میں نے ان کو یقین دلایا کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ لیکن ان کو تشفی نہیں ہوتی۔ لہٰذا آپ اپنے خیالات سے اس باب خاص میں زیادہ توجیہہ کے ساتھ مستفید فرمائیے۔

خادم
باقر

عزیزی باقر حسین سلمہٗ۔ میری طرف سے مولوی صلاح الدین صاحب کو سلام کہنا۔ نہیں یہ بات نہیں ہے کہ میں جینیس کا قائل نہیں ہوں۔ میں نے اپنے پہلے خط میں صاف لکھ دیا ہے کہ کسی قابلیت کا حد سے زیادہ یا کم ہونا عموماً نہیں پایا جاتا۔ اوسط درجے کی صورت۔ دماغ۔ ذہن فطرت کی طرف سے ہر شخص کو عنایت ہوا ہے۔ اس عبارت سے جینیس کا انکار کہیں نہیں نکلتا۔ مولوی صلاح الدین صاحب کا خوف اس باب خاص میں قابلِ قدر ہے۔ جزاہ اللہ خیرا جزاء۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ میں لازآف نیچر کو اس کے لغوی معنی میں ہرگز نہیں لیتا اور نہ کوئی عاقلِ دین دار اس کا قائل ہو سکتا ہے۔ یہ ایک عامیانہ محاورہ ہے۔ میں ہر موجودہ حادث کو ایک فاعل قادر و مختار کا

فعل سمجھتا ہوں۔ میرا یہ اعتقاد ہے کہ بس ایسا ہی ہونا چاہیے تھا جیسا کہ ہوا۔

رقیمۂ دُعا،

عابدؔ

ان خطوط کے علاوہ اور بہت سے خطوط مرزا صاحب کے نام آئے اور ان کے جواب لکھے گئے اور ہر ایک خط ان میں کسی نہ کسی مسئلۂ علمی کی بحث پر ہے۔ مگر ابھی دستیاب نہیں ہوئے اور اسی طرح وہ مضامین جو وقتاً فوقتاً انھوں نے لکھے ہیں۔ آیندہ جب دستیاب ہو جائیں گے تو ہم ان کو بطور مکاتبات مرزا عابد حسین صاحب علیٰحدہ چھاپ کر شائع کریں گے۔

محسنِ قوم مرزا عابد حسین صاحب دام برکاتہٗ تسلیم! خدا آپ کی ہمتوں میں برکت دے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ اکثر بکار آمد علموں کا ترجمہ فرما رہے ہیں۔ واقعی اس سے قوم اور ملک کو بڑا فائدہ پہنچے گا اور جیسا کہ آپ کا خیال ہے اردو زبان کی ترقی بھی اسی میں متصور ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

جس قدر کتابیں طبع ہوتی جائیں۔ اس کی ایک ایک جلد بذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل مجھ کو روانہ فرماتے رہیے بلکہ میرا شوق تو یہ چاہتا ہے کہ جس قدر اجزا جس کتاب کے چھپتے جائیں وہ مجھ کو پہنچتے جائیں۔

اس معاملے میں آپ کے ساتھ متفق ہوں۔ جب تک علوم ہماری زبان میں نہ آئیں گے ملک اور قوم کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ مگر ایک امر قابلِ گذارش ہے۔ اسے نہایت ادب کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ مجھے خوف ہے کہ یہ ترجمے جو آپ فرما رہے ہیں اور ضرور ہے کہ صرفِ کثیر سے چھاپے جائیں۔ اس کے خریدار ملک میں بہت کم لوگ ہوں گے۔ کیونکہ ملک میں دو قسم کی درس گاہیں ہیں۔ ایک انگریزی۔ ان میں علوم انگریزی زبان

میں پڑھائے جاتے ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کی پرائیویٹ درسگاہیں۔ اول تو ان کی تعداد بہت کم ہے۔ صرف دہلی یا لکھنؤ میں دو چار اہلِ علم اپنے گھروں یا مسجدوں میں درس دیتے ہیں۔ ان میں وہی قدیم عربی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ سالہا سال سے جو کورس مقرر ہو گیا ہے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا۔ اور نہ موجودہ حالت کو دیکھ کے کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں کوئی تغیر واقع ہوگا۔ میں نے بھی کچھ دنوں لکھنؤ میں طالب علمی کی ہے۔ وہاں کے خیالات سے میں بخوبی واقف ہوں۔ پھر ان ترجموں کے خریدار کون لوگ سمجھے جائیں۔ پنجاب یونیورسٹی جب نئی نئی قائم ہوئی تھی تو وہاں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ مغربی علوم بذریعہ دیسی زبانوں کے تعلیم دیے جائیں۔ مگر بعض عقلائے قدیم نے بڑے زور سے مخالفت کی اور وہ مخالفتِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے بہت بے موقع نہ تھی۔ اسی لیے پنجاب یونیورسٹی میں اورنٹیل ڈگریوں کے امیدواروں کی فہرست روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ پھر آخر آپ کے ترجموں کی کھپت کہاں ہوگی۔ اگرچہ میرا ذاتی شوق یہی چاہتا ہے کہ جملہ علوم انگریزی بلکہ تمام مغربی زبانوں سے ترجمہ ہو کے اردو زبان میں آجائیں مگر یہ ایک قسم کی آرزو ہے اور ضرور نہیں کہ ہر آرزو پوری ہو۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

میں نے آپ کا بہت سا قیمتی وقت ضائع کیا۔ معاف کیجیے گا بندہ کو ایک مخلص اپنا تصور فرما کے کاروبار لائقہ سے یاد فرمایا کیجیے۔ زیادہ نیاز۔

راقم

بشیر الدین احمد۔ ام۔ اے۔

از بریلی